نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے ذریعہ

# اُمّتِ مُسلمہ کا قیام

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۹؍جون ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ موعود ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تاثیروں اور قوت قدسیہ کے نتیجہ میں اقوام عالم کی سعید روحیں حقیقۃً امت مسلمہ بن جائیں گی اور عرب جو آپ کے پہلے مخاطب ہوں گے ان کے سب گند دھو دیئے جائیں گے اور پاک اور صاف ہو کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سایہ تلے اپنے خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے دربار میں آ جمع ہونگے اور پھر دنیا کے ہادی بنیں گے اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا میں قائم کریں گے۔

چنانچہ ابراہیمی دعاؤں اور ان پیشگوئیوں کے مطابق جو پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک امت مسلمہ کو قائم کر دیا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۲۹-۱۳۰)

پھر فرمایا:۔

تعمیر کعبہ سے تعلّق رکھنے والے اُنّیس مقاصد کے متعلق میں پہلے بتا چکا ہوں۔ **بیسویں غرض** وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں بیان ہوئی تھی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ موعود ہادیٔ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی تاثیروں اور قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں اقوامِ عالم کی سعید رُوحیں حقیقۃً اُمّتِ مُسلمہ بن جائیں گی اور عرب جو آپ صلعم کے پہلے مخاطب ہوں گے ان کے سب گند دھو دئے جائیں گے۔ اور پاک اور صاف ہو کر وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کے سایہ تلے اپنے خالقِ حقیقی اور مالکِ حقیقی کے دربار میں آ جمع ہوں گے اور پھر دنیا کے ہادی بنیں گے اور اسوۂ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ساری دنیا میں قائم کریں گے۔

ابراہیمی دعاؤں اور اُن پیشگوئیوں کے مطابق جو پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

کے ذریعہ ایک اُمّتِ مُسلمہ کو قائم کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۂ حج میں فرماتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا
بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

(سورۃ الحج: آیت ۷۹)

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنی تمام قوّت اور اپنی تمام طاقت اور اپنی تمام استعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کوشش اور جہاد کو اپنے کمال تک پہنچاؤ (حَقَّ جِهَادِهٖ) اُس کے حق کو پُورا کرو، کیونکہ اس نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے اور تمھیں بزرگی بخشی ہے اور کامل دین تمہیں دیا ہے۔ بہترین احکام تمہارے لیے نازل کیے ہیں اور ان احکام کی پیروی کرنے کے لیے جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی وہ بھی ساتھ ہی تمہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لیے ان احکام کی پیروی کرنے سے تم پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملّت! اللہ نے تمہیں اَلْمُسْلِمِیْن کا نام دیا ہے۔ امّتِ مُسلمہ قرار دیا ہے۔ تمھارے متعلّق یہ نام پہلی کتب میں بھی استعمال ہوا تھا اور قرآن کریم بھی تمہیں اُمَّةً مُّسْلِمَةً۔ اَلْمُسْلِمِیْن کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اور یہ نام ان دعاؤں کے نتیجہ میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کی تھیں کہ ایک اُمّت مُسلمہ دنیا میں قائم کی جائے (اُس افضل الرسل کی بعثت کے ساتھ) اور ان کی اولاد بھی امّتِ مُسلمہ میں شامل ہو۔ پس خانہ کعبہ کے مقاصد کے ساتھ تعلّق رکھنے والی جو آیات ہیں ان میں وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کی جو دعا تھی۔ قرآن کریم سُورۂ حج کی اس آیت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دُعا قبول ہوگئی اور جو پیشگوئیاں پہلی کتب میں دی گئی تھیں ان کے پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہو چکے ہیں اور اُمّت مُسلمہ قائم ہوگئی ہے اور اس لیے قائم ہوئی ہے کہ انسان کے اندر جو روحانی اور اخلاقی قوتیں اور استعدادیں اور طاقتیں ودیعت کی گئی تھیں اُن کے اظہار کا وقت آگیا ہے۔ اب دنیا

یہ دیکھے گی کہ انسان اپنے ربّ کی راہ میں اپنی طاقتوں کو کس طرح خرچ کرتا ہے۔ اور اپنی استعدادوں کو وہ اپنے کمال تک کس طرح پہنچاتا ہے۔

اسلام کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے، اپنے ربّ کے سامنے اپنی گردن کو قربان کرنے کے لیے رکھ دینا۔ اپنے تمام ارادوں کو چھوڑ کر، اپنی تمام خواہشوں کو چھوڑ کر خدا کی رضا پر راضی رہنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا یعنی اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے سب کچھ خدا کو دیدیا جائے اور پھر خدا سے ایک نئی زندگی حاصل کرکے ایک خیرِ اُمّت کی شکل میں اس دنیا میں زندگی کے دن گزارے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اور اصطلاحی معنی اسلام کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1] یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے، یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لیے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لیے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ اعتقادی طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی طاعت اور اس کے عشق اور محبّت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ہے اور عملی طور پر اس طرح سے کہ خالصاً للہ حقیقی نیکیاں، جو ہر ایک قوّت سے متعلق اور ہر یک خداداد توفیق سے وابستہ ہیں بجا لاوے مگر ایسے ذوق و شوق

---

[1] سورۃ البقرۃ: آیت ۱۱۳

اور حضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبودِ حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸)

**اکیسواں مقصد** اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں بیان ہُوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اُس نبی موعود پر ایک ایسی شریعت نازل ہو گی جو انسانی فطرت کے سب سچے اور حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو گی۔ ہر استعداد اس سے فیضیاب ہو گی اور ہر فطرتِ صحیحہ اپنے ظرف کے مطابق اس سے حِصّہ لے گی۔ ہر زمانہ کے مناسبِ حال، ہر قوم کے مناسب حال، ہر فرد کی استعداد کے مناسب حال اس میں تعلیم موجود ہو گی اور موجود رہے گی۔

اَلْمَنَاسِكُ، اَلْمَنْسَكُ اور اَلْمَنْسِكُ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں زُہد و عبادت، وہ کام جو حصولِ قربِ الٰہی کے لیے کیے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اَرِنَا الْمَنَاسِكَ عبادت کے کامل طریق ہمیں بتا بلکہ یہ فرمایا ہے اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمارے مناسب حال جو کامل طریق عبادت کے ہیں وہ ہمیں سکھا۔ اور بتا یہ رہا ہے کہ صرف قرآنی شریعت ہی ایسی ہے جس میں یہ گنجائش موجود ہے۔ پہلی شرائع میں یہ گنجائش موجود نہیں تھی جب اُمّتِ مُسلمہ کا وجود قائم ہوگیا اور قرآن کریم کی شریعت اُن پر نازل ہو چکی، تب اَرِنَا مَنَاسِكَنَا کی دعائے ابراہیمی قبول ہوئی تو اَرِنَا مَنَاسِكَنَا میں یہ دعا کی گئی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں موقعہ اور محل کے مطابق اَحسن عمل کے انتخاب کی ہمیں توفیق عطا کر۔ چنانچہ قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے اس بات پر کہ قرآنی تعلیم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں یعنی ہر حکم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، جو قرآن کریم نے دیا ہے، تو جو پہلو موقعہ اور محل اور تمہاری اپنی استعداد کے مطابق ہے اس پہلو سے اُس عمل کو اختیار کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ اپنی استعداد سے بڑھ کر عبادتوں میں مجاہدہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں، بہت لمبا عرصہ روزے رکھتے ہیں یا نیند کو بہت کم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے اور نتیجہ اس کا یہ نہیں نکلتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کر لیں، بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ پاگل ہو جاتے ہیں یا اُن کو بعض اور عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ کسی کو سِل ہو جاتی ہے، دِق ہو جاتی ہے۔ بعض اور بیماریاں ہیں جو اُن کو لگ جاتی ہیں۔

دعا یہاں یہ سکھائی گئی ہے وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا ہر قوم ، ہر زمانہ کے لحاظ سے اور پھر ہر قوم اور ہر زمانہ کے ہر فرد کے لحاظ سے جو مناسب عبادتیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے جو مناسب طریق ہیں وہ ہمیں سکھا تا کہ ہم ہر قسم کی بیماری سے اور ضُعف سے اور لغزش سے اور بد دلی سے محفوظ ہو جائیں اور تیرے قرب کو حاصل کریں۔

اُحسن پر، یعنی جو بہتر پہلو ہے اس کے اختیار کرنے کی طرف، بڑے زور سے، اور بڑی کثرت سے، قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے مثلاً فرمایا ہے جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل: آیت ۱۲۶) دُوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتے ہوئے تم مختلف پہلوؤں کو اختیار کر سکتے ہو تو جو اُحسن پہلو ہے اُس کو اختیار کرو۔ ایک شخص ہے جو محبّت سے بات سُننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تم اسے ڈراؤ نہیں۔ ایک موقعہ ایسا آتا ہے کہ مخالف سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ان کو فساد پر آمادہ کر لیا تو ان کو نقصان ہو گا ہمیں فائدہ ہو گا۔ اُس وقت ایک احمدی کا فرض ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق امن کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے انتہائی کوشش کرے اور جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ میں جو احسن طریق اختیار کرنے کا حکم ہے اس پر عمل پیرا ہو، تا امن میں رخنہ نہ پیدا ہو۔ بہت سے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کئی طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں ایک حکم کی بجا آوری میں۔ تو جو اُحسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو۔ اصولاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ قرآن کریم کی کامل اور مکمل شریعت تم پر اُتاری گئی ہے اور تمہیں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ الزمر: ۵۶) تمہارے ربّ نے جو تمہاری ربوبیت کرنا چاہتا ہے اپنی اس صفت کے تقاضا سے ایک ایسی شریعت نازل کی ہے جو مختلف پہلو رکھتی ہے اور ہر آدمی، ہر فرد، ہر قوم، ہر زمانہ کی رُبوبیّت کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اس پر عمل کیا جا سکے۔ تو ہر پہلو اس کے اندر آ گیا ہے اس شریعت کا نُزول ربّ کریم کی طرف سے ہے اس لیے قیامت تک محفوظ ہے۔ جو اُحسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو اور ہر حکم کو اس حسن طریق پر بجا لاؤ، جو تمہارے مطابق حال ہو، جو زمانہ کے مناسب حال ہو۔ جس کے نتیجہ میں تمہارے قوٰی اور تمہاری استعدادیں صحیح نشوونما اور ربوبیت کو حاصل کر سکیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ کہ میرے اُن بندوں کو جو (اَلْقَوْل) اس بہترین شریعت کو سُنتے ہیں فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس میں جو احکام اُنہیں سُنائے جاتے

ہیں ان میں سے وہ احسن کی پیروی کرتے ہیں اُن کو تم بشارت دو: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰ ھُمُ اللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے سامان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہی لوگ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ الزمر: ۱۸ و ۱۹) ہوں گے، عقلمند سمجھے جائیں گے۔ اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کو اُولُوا الْاَلْبَاب میں اس لیے شامل کیا ہے اور عقل اس لیے دی ہے کہ وہ اس کو اسلامی شریعت کے احکام کی بجا آوری میں استعمال کرے اور وہ اپنی عقل سے کام لے اور موقع کو پہچانے اور محل کی شناخت رکھے مثلاً اگر کسی سے تبادلۂ خیال کرے تو اس کی سائیکولوجی کو وہ پہچانے اور اپنی عقل سے وہ فیصلہ کرے کہ اس رنگ میں میں بات کروں گا تو میری بات کا میرے مخاطب پر اثر ہوگا۔

پس یہاں بڑی وضاحت سے اللہ کے ان بندوں کو بشارت دی گئی ہے جو قرآن کریم کی شریعت کو سنتے اور اَحسن پر عمل کرتے ہیں۔ بشارت ان لوگوں کو نہیں دی گئی جو قرآن کریم کو سُنتے تو ہیں، مگر اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے اور اَحسن کی بجائے کسی اور پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ پس ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہدایت کی بشارت نہیں دیتا یعنی انجام بخیر ہونے کی بشارت نہیں دیتا۔ تو یہاں ایک معنی یہ ہوں گے کہ میرے وہ بندے جو اَلْقَوْل کو سُنتے اور ان میں سے اَحسن کی پیروی کرتے ہیں اُن کا انجام بخیر ہوگا جو ایسا نہیں کرتے اُن کا انجام بخیر نہیں ہوگا۔

**بائیسواں مقصد** تُبْ عَلَیْنَا میں بیان ہوا تھا اور اس میں اشارۃً بیان کیا گیا تھا کہ جو آخری شریعت یہاں نازل ہوگی اس کا گہرا تعلق ربِّ توّاب سے ہوگا اور اس کے پیرو، اس کے متّبعین اس بنیادی حقیقت کو پہچانیں گے کہ توبہ اور استغفار کے بغیر معرفت الٰہی اور رضاءِ الٰہی کا حصول ممکن نہیں، پس جہاں وہ بار بار اس کی راہ میں قربانیاں دیں گے وہاں وہ بار بار استغفار کے ساتھ اس سے قوت حاصل کریں گے اور توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع بھی کرنے والے ہوں گے، اپنی کوشش اور مجاہدہ اور قربانیوں کو رخنہ سے خالی اور خطا سے مبرّا نہ سمجھیں گے۔

تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ کے معنی ہیں قَبِلَ تَوْبَتَہٗ مِنْہُ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بندہ کی جو توبہ کرنے والا ہے توبہ کو قبول کر لیا۔ یہاں یہ دعا ہے وَتُبْ عَلَیْنَا اور بتایا گیا ہے کہ اس حقیقت کو جو توبہ اور استغفار کے اندر پائی جاتی ہے صحیح طور پر اور حقیقی معنے میں وہ اُمّت سمجھنے والی ہوگی اور ان کو ایک ایسی شریعت دی جائے گی جو ان باتوں کو کھول کر بیان کرے گی۔

شرع میں اور اسلامی اصطلاح میں توبہ کے معنی میں چار باتیں پائی جاتی ہیں :۔

۱۔ گناہ کو ترک کر دینا۔ مثلاً جس شخص کو جھوٹ کی عادت ہو وہ ایک گناہ کر رہا ہے، تو جھوٹ کو چھوڑ دینے کا نام توبہ ہے۔ یہ اس کا ایک پہلو ہے۔

۲۔ یہ کہ گناہ پر ندامت کا احساس پیدا ہو جانا۔ ہر آدمی ہر وقت تو جھوٹ نہیں بولتا لیکن ایک شخص ایک لمبے عرصہ تک جھوٹ نہیں بولتا۔ مثلاً چھ مہینے اس نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، تو ترک گناہ تو ہُوا (اس چھ ماہ میں) لیکن توبہ نہیں، کیونکہ ترک گناہ کے علاوہ توبہ میں گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہو جانا بھی ضروری ہے۔

۳۔ یہ کہ عزم یہ ہو کہ میں اس گناہ کی طرف لوٹوں گا نہیں، پورے عزم کے ساتھ گناہ کو چھوڑنے والا ہو ——— اور

۴۔ یہ کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا تدارک بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی کے سو روپے مارے ہوئے ہیں تو توبہ کے صرف یہ معنے نہیں ہوں گے کہ آیندہ لوگوں کا مال مارنے سے توبہ کر لی۔ احساس ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ کہ میں کبھی بھی ایسے گناہ کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ لیکن قوّت ہونے کے باوجود وہ سَو روپیہ ادا نہ کرے۔ حالانکہ وہ اتنا غریب نہیں کہ سو روپیہ ادا نہ کر سکے تو پھر بھی وہ توبہ نہیں ہے۔

اِن ہر چہار باتوں کے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے قوّت حاصل کریں۔ کیونکہ گناہ کا چھوڑنا خدا تعالےٰ سے حاصل کردہ قوت کے بغیر ممکن نہیں۔ گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہونا اس کی توفیق کے بغیر ناممکن ہے۔ باقی رہا عزم! تو انسان کے اندر کیسے یہ ہمّت ہو سکتی ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بغیر، اللہ تعالیٰ سے طاقت حاصل کیے بغیر یہ عزم کر سکتا ہوں، پختہ ارادہ کر سکتا ہوں کہ آیندہ کوئی گناہ نہیں کرونگا۔ پس اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کی توفیق کی ضرورت ہے اور جس حد تک ممکن ہو تدارک کرنا، اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے قوت اور طاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

تو یہ طاقتیں اور قوتیں استغفار کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں۔ خدا کا بندہ اپنے ربّ کو تمام طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ سمجھتا ہے اور اپنے اندر کوئی اپنی طاقت اور قوت نہیں پاتا اور نہ دیکھتا ہے۔ اس لیے ہر کام کے کرنے سے پہلے وہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا اور استغفار کرتا ہے۔ اور اپنے ربّ سے کہتا ہے کہ اے خدا! جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام

قوتوں کا منبع ہے، مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں عطا کر کہ میں برائیوں کو کلیۃً چھوڑ دوں اور نیکیوں پر حقیقتاً قائم ہو جاؤں۔ تو اس معنے میں پہلے استغفار ہے اور بعد میں توبہ۔ توبہ استغفار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس مضمون پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی بسط سے روشنی ڈالی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں، ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دیدے گا۔ اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاویگا اور نیکیوں کو کرنے کے لیے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ہے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لیے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے استمداد چاہے۔ سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی[1] سنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پالو گے۔ ہر ایک شخص کے لیے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ ۶۹۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱)

آپؑ نے فرمایا کہ اپنے اپنے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے جس حد تک تمہارے لیے ممکن ہے روحانی رفعتوں کو حاصل

[1] سورۃ ھود: آیت ۴۔

کرو اور استغفار اور توبہ کے ذریعہ سے ان کو حاصل کرلو۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"اِس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنے یہی ہیں کہ وہ اس لیے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہوگیا ہے، بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حقّ فوت نہ ہو، اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے...... اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلےٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبہ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لیے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لیے ہردم اور ہرآن دُعا مانگتا رہتا ہے اور تضرّعات سے خدا تعالےٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حِصّہ ملے، جو بوسیلۂ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں۔ معصوم اِنسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہردم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی، بلکہ ہردم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی، بلکہ خدا سے اس پر روشنی اُترتی ہے۔ اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دی جاتی ہے تاکہ وہ طاقت بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے۔ اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لیے طاقت کھینچتے ہیں اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمۂ طاقت سے عُبودیّت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے..... پس استغفار کیا چیز ہے، یہ اس آلہ کی مانند ہے

جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے۔ تمام راز توحید اسی اُصول سے وابستہ ہے کہ صفتِ عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے حصول کے لیے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے۔" (ریویو آف ریلیجنز اردو، جلد ا صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۰)

جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے انسان طاقت حاصل کر لیتا ہے، تب وہ توبہ کی توفیق پاتا ہے اور تب اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ و السلام اسی لیے فرماتے ہیں:

"پس اُٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہو گا، لیکن جو شخص ظلم اور تعدّی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اُس کو اسی جگہ سزا دی جاتی ہے۔ تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا، سو اپنے خدا کو جلدی راضی کر لو اور قبل اس کے کہ وہ دن آوے ..... تم خدا سے صلح کر لو۔ وہ نہایت درجہ کریم ہے۔ ایک دم کے گداز کرنے والی توبہ سے ستّر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔ اے خدائے کریم و رحیم! ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین"۔ ("لیکچر لاہور" صفحہ ۲۸)

آج مجھے گرمی کی وجہ سے تکلیف رہی ہے اور یہاں مسجد میں بھی بڑی گرمی ہے۔ دوستوں کو بھی لمبے خطبہ سے تکلیف ہو گی اس لیے آج میں صرف اسی پر بس کرتا ہوں اور باقی مضمون اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔

(منقول از روزنامہ الفضل۔ ربوہ۔ مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۶۷ء)